محمد جعفر شاہ پھلواروی

ایک سہروردی درویش

عراقِ عجم میں ہمدان اور زنجان کے درمیان ایک مقام ہے جس کا نام سہرورد ہے۔ یہاں ایک بڑے کامل بزرگ گزرے ہیں۔ جن کا نام حضرت ابوالنجیب عبدالقاہر سہروردی ہے۔ سہروردیہ طریقے کا آغاز ان ہی بزرگ سے ہوا ہے۔ ان کے خلفاء میں سے مشہور بزرگ شیخ الشیوخ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی ہیں جو صرف خلیفہ ہی نہیں بلکہ اپنے مرشد کے برادر زادے بھی ہیں۔ عوارف المعارف کے یہی مصنف ہیں۔ شیخ سعدی شیرازی ان ہی کے مرید تھے اور ان ہی کے بارے میں شیخ سعدی نے لکھا ہے۔ کہ ؎

مرا پیر دانائے فرخ شہاب   دو اندرز فرمود بر روئے آب
یکے آنکہ بر خویش خود بیں مباش   دگر آنکہ بر غیر بد بیں مباش

ان ہی کے ایک اجل خلیفہ حضرت بہاءالدین زکریا ملتانی سہروردی ہیں۔ جن کا ذکر اس وقت مقصود ہے۔

حضرت بہاؤالدین نواحِ ملتان کے قلعۂ کوٹ کرور میں پیدا ہوئے۔ سفینۃ الاولیاء میں آپ کا سنہ ولادت ۵۶۵ ہجری لکھا ہے۔ آپ کے جدامجد حضرت کمال الدین شاہ قریشی مکۂ معظمہ سے خوارزم آئے تھے۔ اور خوارزم سے ملتان آکر سکونت اختیار کر لی تھی۔ حضرت بہاؤالدین ابھی بارہ ہی سال کے تھے کہ آپ کے والد مولانا وجیہ الدین اللہ کو پیارے ہو گئے۔ یتیمی کا احساس جہاں انسان کو بے بس بنا دیتا ہے وہاں بعض اوقات خودی کی تخلیق بھی کرتا ہے۔ حضرت بہاؤالدین کے اندر باپ کا سایہ اُٹھ جانے کے بعد اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کا جذبہ پیدا ہُوا۔ آپ نے پہلے تو قرآن پاک حفظ کیا اور ساتوں قرأتوں کی مہارت حاصل کی۔ پھر خراسان پہنچے۔ جہاں علمِ ظاہر اور علمِ باطن دونوں کی تحصیل کی۔ پھر بخارا گئے اور وہاں علوم کی تکمیل کی۔ پھر حج و زیارت کے لئے مکّے اور مدینے پہنچے۔ مدینے میں ایک جلیل القدر محدث مولانا کمال الدین محمد سے علمِ حدیث پڑھا۔ اس کے بعد یہیں تزکیۂ نفس کے لئے کچھ مجاہدے کئے۔ پھر وہاں سے بیت المقدس اور وہاں سے بغداد پہنچے۔ یہاں اس وقت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کا طوطی بول رہا تھا۔ حضرت بہاؤالدین آپ کی صحبت میں صرف سترہ دن رہے۔ اتنی قلیل مدت میں شیخ الشیوخ نے آپ کو ساری روحانی نعمتوں سے مالا مال کر کے خرقۂ خلافت عطا فرمایا۔ شیخ الشیوخ کے بعض حلقہ بگوشوں نے دریافت کیا کہ "ہم لوگ یہاں مدتوں سے ڈیرا جمائے بیٹھے ہیں مگر ہمیں ابھی تک کچھ نہ ملا یا بہت تھوڑا حصہ ملا اور بہاؤالدین زکریا چند

دنوں کی صحبت میں سب کچھ لے گئے۔ یہ کیا بات ہے؟" شیخ الشیوخ نے فرمایا کہ: "تم لوگ گیلی لکڑی ہو اس لئے دیر میں سُلگو گے اور بہاؤ الدین چوبِ خشک ہے اس لئے اس نے فوراً آگ پکڑلی" خلافت دینے کے بعد شیخ الشیوخ نے آپکو ہدایت کی کہ تم ملتان ہی میں جاکر قیام کرو اور اللہ کے بندوں کو روحانی فیض پہنچاؤ۔ غرض آپ پہلے تو صرف ملتانی تھے۔ اور اب ملتانی سہروردی ہوکر واپس آئے اور نہ فقط علاقہ ملتان کو بلکہ پورے ہندوستان کو اپنے روحانی فیوض سے مالا مال کر دیا۔

اس وقت ملتان میں ناصرالدین قباچہ حکمرانی کر رہا تھا اور دہلی میں سلطان شمس الدین التمش۔ قباچہ سلطان التمش کا حریف تھا مگر التمش کے زہد و تقویٰ اور دینداری کی وجہ سے حضرت بہاؤ الدین زکریا اسے پسند فرماتے تھے اور قباچہ سے خوش گمان نہ تھے۔ اور تو اور خود ملتان کے قاضی مولانا شرف الدین اصفہانی بھی قباچہ پر التمش ہی کو ترجیح دیتے تھے۔ ایک بار ایسا اتفاق ہؤا کہ قباچہ کی معاندانہ روش کو دیکھ کر اس کی سازشوں کا حال التمش کو حضرت بہاء الدین زکریا نے بھی لکھ دیا۔ اور قاضی شرف الدین نے بھی۔ سوئے اتفاق سے دونوں خط راستے ہی میں پکڑے گئے۔ دونوں بزرگوار کو قباچہ نے طلب کیا اور خط پیش کئے۔ قاضی شرف الدین کی تو وہیں گردن اُڑا دی گئی[1] اور حضرت بہاؤ الدین نے بڑی جرأت کے ساتھ فرمایا کہ: "یہ خط میرا ہی ہے اور میں نے جو کچھ لکھا ہے حق لکھا ہے" اس صاف گوئی و جرأت سے قباچہ اس قدر متاثر ہؤا کہ کانپنے لگا اور اُلٹی معذرت پیش کرنے لگا۔ اس کے بعد آپ کو اعزاز واکرام کے ساتھ رخصت کر دیا۔

حاکمِ وقت سے ناراضی کے باوجود آپ کا ایک اُسوہ ایسا ہے جو اِس دَور کے علماء و فقراء کے لئے بہت سبق آموز ہے۔ آپ رفاہِ عام میں اُن حُکّام سے بھی پُورا تعاون فرماتے تھے جن سے بوجہ بے دینی کے ناخوش تھے۔ ایک بار ملتان میں شدید قحط پڑا تو آپ نے غلّے کی کثیر مقدار والئ ملتان کے پاس بھیج دی۔ اسی غلّے کے اندر نقرئی ٹنکے کے سات کوزے بھی تھے۔ والئ ملتان نے خیال کیا کہ یہ رقم غلطی سے غلّے کے اندر آگئی ہے۔ اس لئے آپ سے صورتِ حال دریافت کی تو آپ نے کہلوا بھیجا کہ: "یہ بھی فاقہ کشوں کی اعانت کے لئے ہے۔"

---

[1] اس موقع پر وہ واقعہ یاد کیجیے کہ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ بن ابی بلتعہ کا ایک خط ۸ھ میں پکڑا گیا تھا جس میں اُنہوں نے قریشِ مکہ کو یہ خبر دی تھی کہ مسلمان عنقریب مکّے پر چڑھائی کرنے والے ہیں۔ یہ سازش پکڑی گئی۔ باقاعدہ مقدمہ پیش ہؤا۔ حضرت عمرؓ نے گردن اُڑا دینے کی رائے دی۔ مگر حضورؐ نے حاطب کا عذر قبول فرمالیا اور ارشاد ہؤا کہ تمہیں کیا معلوم، شاید اللہ تعالےٰ نے اہلِ بدر کے گناہ معاف فرما دئے ہوں۔ حضورؐ نے انہیں چھوڑ دیا۔ اور یہاں ملوکی استبداد کا یہ عالم ہے کہ قاضی شرف الدین کی گردن فوراً اُڑا دی جاتی ہے۔

فقر کی سب سے بڑی علامت یہ ہے کہ دولت کی محبت نہ ہو۔ حضرت بہاؤ الدین زکریا کا ایک چھوٹا سا واقعہ ہے جس سے اس حقیقت پر بڑی اچھی روشنی پڑتی ہے۔ ایک بار آپ کی ایک صندوقچی کھو گئی جس میں پانچ ہزار اشرفیاں تھیں۔ صندوقچی گم ہونے کی خبر سن کر آپ نے فرمایا "الحمد للہ" تھوڑی دیر کے بعد تلاش سے وہ صندوقچی مل گئی۔ یہ خبر سن کر بھی آپ نے فرمایا "الحمد للہ" لوگوں نے دریافت کیا کہ: "حضرت یہ کیا معاملہ ہے کہ گم ہونے پر بھی "الحمد للہ" اور مل جانے پر بھی "الحمد للہ"؟ آپ نے فرمایا کہ: "بھئی فقیروں کے لئے دنیا کا عدم اور وجود دونوں یکساں ہیں۔ آنے کی کوئی خوشی نہیں اور جانے کا کوئی غم نہیں۔" اس کے بعد آپ نے وہ ساری پانچ ہزار اشرفیاں حاجت مندوں میں تقسیم فرمادیں۔ دیکھنے میں تو ایک معمولی سا واقعہ نظر آئے گا لیکن فقر کی ساری کائنات اس ایک جملے میں سمٹی ہوئی ہے کہ "فقیروں کے لئے دنیا کا عدم اور وجود دونوں برابر ہیں۔" بڑے سے بڑا جگر رکھنے والا دنیادار بھی اتنا عالی ظرف نہیں ہوتا کہ پانچ ہزار اشرفیاں ملنے پر کوئی خوشی نہ ہو اور کھو جائے تو پیشانی پر بل نہ آئے اور پھر دونوں صورتوں میں اسی اطمینانِ قلب کے ساتھ زبان سے الحمد للہ نکلے۔

اولیاء اللہ کو یہ نفسِ مطمئنہ اس لئے حاصل ہوتا ہے کہ ان کے پاس جو کچھ بھی ہوتا ہے وہ ان کی اپنی ذات کے لئے نہیں ہوتا بلکہ دوسرے حاجت مندوں ہی کے لئے ہوتا ہے۔ آنے کی خوشی یا جانے کا غم اس وقت ہوتا ہے جب مال کو اپنا مال اور اپنی ملکیت تصوّر کیا جائے۔ جو شخص اپنا مال و جان سب کچھ اللہ کے ہاتھ فروخت کرچکا ہو[1] وہ کسی مال کو اپنی ملکیت کیوں سمجھے اور اس کے آنے پر خوش یا جانے پر غمگین کیوں ہو؟ سچ ہے:

الا ان اولیاء اللہ لاخوف علیھم ولاھم یحزنون — اولیاء اللہ کو نہ کوئی خوف ہوتا ہے نہ غم۔

فقر ہی کی ایک بڑی نشانی ہے تواضع۔ تواضع کا مطلب یہ ہے کہ دوسروں کی توقیر ہو لیکن خود اپنی تعظیم کرانے کا کوئی جذبہ نہ ہو۔ ایک بار آپ کی خانقاہ میں آپ کے کچھ مرید حوض کے کنارے وضو کر رہے تھے کہ آپ دفعۃً وہاں پہنچ گئے۔ سب لوگ تعظیم کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ صرف ایک مرید تھا جو وضو ختم کر کے اُٹھا اور سلام بجالایا۔ آج کے دَور میں شاید کوئی استاذ اپنے شاگرد کی اس حرکت کو پسند نہ کرے گا، لیکن حضرت زکریا ملتانی اپنے مریدوں کے سچے روحانی اُستاد تھے۔ آپ نے اس مرید کو جو وضو ختم کر کے تعظیم کے لئے اُٹھا تھا بلا کر سب کے سامنے ارشاد فرمایا کہ: "تم ان سب درویشوں سے زیادہ افضل اور زاہد۔"

فقیر کی ایک بڑی پہچان ہے دوسرے درویشوں سے خلوص و محبت رکھنا۔ یہ مشہور مقولہ بہت صحیح ہے کہ:

---

[1] ان اللہ اشتریٰ من المومنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ۔ (قرآن) یعنی اللہ نے اہل ایمان سے انکی جانیں اور مال جنّت کے عوض خرید لئے ہیں۔

الاولیاء کنفس واحدۃ .... اولیاء یک جان و چند قالب ہوتے ہیں ....
درویشوں میں ہمیشہ اس کا اظہار ہوتا رہا ہے۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی جب ملتان تشریف لائے تو حضرت زکریا ملتانی نے باصرار اپنے ہاں ٹھہرایا۔ دونوں ایک دوسرے سے بڑی شفقت و محبت سے پیش آئے۔ کچھ لوگوں نے حضرت بختیار کاکی سے چند دن اور ملتان میں قیام فرمانے کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا کہ: "شیخ بہاؤ الدین کا ملتان پر قبضہ و سایہ کافی ہے۔ یہاں کا تعلق ان ہی سے ہے اور ان ہی کی حمایت تم لوگوں کے ساتھ رہے گی۔" خواجہ بختیار کاکی کے ان جملوں سے حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی کی عظمت و مرتبت کا اندازہ کرنا مشکل نہیں۔

یہاں ایک خاص بات اور بھی پیشِ نظر رکھئے کہ اپنے ہم عصر آدمیوں سے برابری کے ساتھ ملنے کے بعد ان کے شاگردوں یا مریدوں سے برابری کا برتاؤ کوئی نہیں کیا کرتا۔ لیکن درویش اور فقرا پیر و مرید کے اس فرق کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے۔ وہ ہر صالح انسان کا اکرام کرتے ہیں خواہ وہ مریدوں کے طبقے سے تعلق رکھتا ہو یا پیروں کے طبقے سے۔ ذرا ڈوب کر دیکھئے تو ایک پیر اور اس کے مرید دونوں ہی سے یکساں مخلصانہ اور دوستانہ تعلق رکھنا بڑی نفس کشی کا کام ہے لیکن حضرت بہاؤ الدین زکریا اس معیار پر کھرے اترتے ہیں۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کا ذکر آپ سن چکے۔ اب ان کے مرید و خلیفہ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کا بھی ذکر سنئے۔ حضرت زکریا ملتانی کے تعلقات حضرت بابا گنج شکر کے ساتھ بھی ایسے ہی مخلصانہ دوستانہ تھے۔

بزرگوں کے لطائف اور ان کی باتیں بھی بڑی عجیب اور دلچسپ ہوتی ہیں۔ ایک بار حضرت بہاؤ الدین زکریا نے کسی بات کی معذرت کرتے ہوئے حضرت بابا صاحب کو لکھا کہ: "میانِ ما و شما عشق بازی ست" ہمارے تمہارے درمیان تو عشق بازی کا رشتہ ہے۔ حضرت بابا صاحب نے اس کے جواب میں لکھا کہ: "میان ما و شما عشق ست بازی نیست" ہمارے تمہارے درمیان صرف عشق کا رشتہ ہے بازی (یعنی کھیل) کا نہیں۔

فقر کی سب سے بڑی علامت جود و سخا ہے لیکن یہ جود و سخا دراصل نتیجہ ہے اس چیز کا جسے ہم ابھی بیان کر چکے ہیں کہ فقیر کو مال کی محبت نہیں ہوتی کیونکہ وہ کسی مال کو اپنی ملکیت تصور ہی نہیں کرتا۔ اس کے پاس جو کچھ ہوتا ہے وہ حاجت مندوں کے لئے ہی ہوتا ہے۔ اس زاویہ نگاہ کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے اندر دریا دلی، جود و سخا اور فیاضی عادتِ ثانیہ کی سی حیثیت اختیار کر لیتی ہے۔ ایک واقعے سے آپ کو اس کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔ ایک بار آپ کے مریدوں کا ایک تجارتی جہاز طوفان میں گھر گیا۔ مریدوں نے آپ کا واسطہ دے کر دعا کی اور جہاز غرق ہونے سے بچ گیا۔ ساحل پر سب نے عہد کیا کہ اپنے مال کی ایک تہائی حضرت بہاؤ الدین کی خدمت میں پیش کریں گے۔ جہاز پر موتی اور دوسرے جواہرات لدے ہوئے تھے۔ خواجہ فخر الدین گیلانی کی معرفت مال کا تہائی حصہ حضرت زکریا ملتانی کے پاس بھیج دیا گیا۔ اس کی قیمت ستر لاکھ نقرئی ٹنکے تھی۔ شیخ

زکریا ملتانی نے یہ ہدیہ قبول فرمالیا۔ لیکن جانتے ہیں اس کا کیا مصرف لیا؟ کوئی جائداد نہیں خریدی۔ کوئی بلڈنگ نہیں بنائی۔ کوئی بینک بیلنس میں اضافہ نہیں کیا۔ پھر کیا کیا؟ تین دن کے اندر اندر یہ سارا مال غریبوں، محتاجوں اور حقداروں کو تقسیم فرما دیا۔ اور اپنے لئے ایک پھوٹی کوڑی بھی نہ رکھی۔ یہ دل ایک سچے درویش ہی کا ہو سکتا ہے۔ ایسے درویش کا جس کا سب کچھ خدا کے ہاتھ فروخت ہو چکا ہو۔ ساری ساری رات نوافل میں گذار دینا دشوار نہیں۔ سالہا سال متواتر روزے رکھنا مشکل نہیں۔ محبت الٰہی کا پتہ اُس وقت چلتا ہے جب جاہ و مال کی محبت کو خدا کی محبت پر قربان کرنا پڑے، اور راہِ مولا میں بندگانِ خدا کو اپنی جیب سے کچھ دینا پڑے۔

جب کسی قوم کے افراد میں لینے کی عادت اور "ھل من مزید" کی ہوس پیدا ہو جائے تو ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آسکتی کہ سب سے بڑی عبادت راہِ خدا میں بندگانِ خدا کو کچھ دینا ہے اور دینا بھی بغیر کسی دنیوی غرض کے۔ یوں تو دنیا میں لاکھوں لاکھ خرچ کرنے والے موجود ہیں لیکن کس لئے؟ اپنی غرض کے لئے، اپنی جاہ و اقتدار کے لئے، اپنی عیش و آرام کے لئے، کوئی منصب حاصل کرنے کے لئے، کسی دشمن کو شکست دینے کے لئے، غرض ایک نہیں بیسیوں اغراض ہیں جن کے لئے انسان بہت کچھ خرچ کر ڈالتا ہے۔ لیکن ایسے اخراجات خدا کی نگاہ میں کیا وقعت رکھتے ہیں؟ بات تو جب ہے کہ دیتے وقت رضائے مولیٰ کے سوا کوئی مقصد پیشِ نظر نہ ہو اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ اپنے سے زیادہ حاجت مندوں کا خیال رکھے اور جو آئے وہ محتاجوں کی حاجت روائی میں صَرف کر دے۔ حضرت بہاؤالدین زکریا نے فیاضی و سخاوت کا جو عملی نمونہ پیش فرمایا وہ رہتی دنیا تک ہر درویش اور ہر صاحبِ حال و صاحبِ مال کے لئے مشعلِ ہدایت بنا رہے گا۔ اس عملی نمونے کا کیا اثر ہُوا، وہ بھی سُن لیجئے۔ وہی خواجہ فخرالدین گیلانی جن کی معرفت یہ مال آیا تھا حضرت زکریا ملتانی کے جود و سخا سے اتنے متاثر ہوئے کہ اپنا سارا مال و اسباب محتاجوں کو بانٹ دیا اور فقر و درویشی اختیار کر لی۔ حضرت شیخ ملتانی کی خدمت میں پانچ سال گزارے پھر حج کو تشریف لے گئے اور مکّے پہنچنے سے پہلے ہی جدّے میں وفات پاگئے۔

فقیر کو اگر اپنے نفس پر قابو نہ ہو تو اس کی فقیری کو ناقص ہی سمجھنا چاہئے۔ فقر کا سارا کھیل ہی اپنے نفس امّارہ کو قابو میں رکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ نفس پر قابو ہو تو زبان بھی قابو میں رہتی ہے۔ اور ہاتھ پاؤں بھی اور دوسری قوتیں بھی۔ حِلم، بُردباری اور تحمل و ضبط بڑی اعلیٰ اقدار ہیں لیکن یہ صفات نفس پر قابو رکھے بغیر حاصل نہیں ہوتیں۔ اہلِ فقر کا انداز یہ ہوتا ہے کہ انہیں کوئی پتھر مار دے تو وہ پھول برساتے ہیں، انہیں گالیاں دی جائیں تو اس کے جواب میں دُعائیں دیتے ہیں۔ ان سے دشمنی کی جائے تو وہ دوستی کے سارے فرائض ادا کرتے ہیں۔ غرض ان کا عمل اس آیت پر ہوتا ہے کہ:

ویدرءون بالحسنۃ السیئۃ۔ بُرائی کا جواب نیکی سے دیتے ہیں۔

حضرت بہاؤالدین زکریا کے اندر یہ صفت بھی بہ کمال پائی جاتی تھی۔ آپ ایک دن اپنی خانقاہ میں تشریف رکھتے کہ چند دلق پوش قلندروں کی جماعت آپ کے پاس آئی اور آپ سے مالی امداد کی درخواست کی۔ یہ آپ جانتے ہیں کہ اس قسم

کے مانگنے والے ہٹے کٹے ہونے کے باوجود کسبِ حلال اور محنت وجانفشانی سے کتراتے ہیں اور مفت خوری کے عادی ہوتے ہیں۔ ان کو دیا جائے تو سخاوت وفیاضی کا اظہار تو ہو جاتا ہے۔ لیکن ایک دوسری اخلاقی قدر کو بڑا نقصان پہنچتا ہے اور وہ یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو بھیک مانگنے، مفت کی روٹی کھانے اور محنت سے جی چرانے کی عادت پڑ جاتی ہے اور چونکہ ان کا لباس درویشانہ ہوتا ہے لہٰذا درویشوں کا طبقہ مفت میں بدنام ہوتا ہے یا درویشی و توکل کا غلط تصور لوگوں میں پیدا ہو جاتا ہے۔
بہرحال اسی قسم کی باتیں ہوں گی جن کی وجہ سے آپ نے ان سوال کرنے والے قلندروں سے اپنی بیزاری کا اظہار فرما دیا۔ اس اظہارِ بیزاری پر ان قلندروں کو غصہ آگیا اور انہوں نے کچھ دباؤ ڈال کر رقم وصول کرنے کے لئے آپ پر پتھر پھینکنے شروع کئے۔ حضرت شیخ زکریا اگر چاہتے تو ذرا سے اشارے میں آپ کے ہزاروں جاں نثار معتقدین چند لمحوں میں ان قلندروں کا دماغ درست کر دیتے۔ لیکن آپ نے صرف اتنا کیا کہ خادم کو حکم دے کر اپنی خانقاہ کا دروازہ بند کرا دیا۔ قلندروں کی جماعت نے شاید یہ خیال کیا کہ آپ ڈر گئے لہٰذا اور ڈرانا یا اپنے دل کی بھڑاس نکالنا چاہیئے۔ انہوں نے دروازے ہی پر پتھر پھینکنے شروع کر دیئے۔ اب حضرت شیخ زکریا نے ذرا تامل کے بعد فرمایا کہ دروازہ کھول دو۔ آپ نے صرف دروازہ کھولنے ہی کا حکم نہیں دیا بلکہ ایک ایسا جملہ بھی فرمایا جس کا لطف اہلِ فقر ہی لے سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ "میں اس جگہ خود تو نہیں بیٹھا ہوں۔ مجھے تو میرے مرشد شیخ شہاب الدین سہروردی نے اس جگہ بٹھایا ہے۔" مطلب یہ تھا کہ اگر انہوں نے مجھے یہاں پتھر کھانے کو بٹھایا ہے تو یہی سہی، ورنہ خدا خود ہی اس کا کوئی بندوبست فرما دے گا۔ ایسے خطرے کی حالت میں دروازے کا کھولنا کسی معمولی جرأت والے کا کام نہیں۔ بہرحال دروازہ کھول دیا گیا۔ اس جرأت، اس صبر وتحمل، اور اس عجیب خلق کا ان قلندروں کے دل پر کچھ ایسا اثر پڑا کہ وہ خود نادم ہوئے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی حرکت کی معافی مانگی۔

حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی اپنے آخری دور میں دہلی میں مقیم ہو گئے تھے۔ یہاں آپ نے سلطان شمس الدین التمش کی درخواست پر شیخ الاسلامی کا عہدہ بھی قبول فرمالیا تھا بلکہ ایک مدت تک آپ ہی کے خاندان میں یہ عہدہ رہا۔ آپ کے شیخ الاسلام ہونے کا واقعہ بہت دلچسپ ہے۔ اس واقعے کا پسِ منظر یہ ہے کہ حضرت زکریا ملتانی کے ایک جلیل القدر پیر بھائی تھے حضرت جلال الدین تبریزیؒ[1]۔ یہ دونوں بغداد میں پانچ سال تک اپنے مرشد یعنی شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کی خدمت میں اکٹھے ہی رہے۔ اس کے بعد حضرت زکریا تو ملتان میں مقیم ہو گئے اور حضرت جلال الدین تبریزی خراسان میں مقیم ہو گئے۔ ایک بار حضرت جلال الدین تبریزی دہلی تشریف لائے تو سلطان شمس الدین التمش نے بڑے اعزاز واکرام کے ساتھ آپ کا استقبال کیا۔ اس پر مزید یہ کہ التمش کے مرشد حضرت قطب الدین بختیار کاکی بھی حضرت جلال الدین تبریزی سے بڑے اعزاز واحترام سے پیش آئے۔ حضرت جلال الدین تبریزی کا یہ اعزاز واحترام اور یہ رسوخ و ہر دلعزیزی

---

[1] یہ کسی وجہ سے حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانی سے کچھ ناراض سے ہو گئے تھے۔

بعض لوگوں سے نہ دیکھی گئی اور ان کے دل میں رشک ہی کی نہیں بلکہ کچھ حسد کی آگ بھی بھڑکنے لگی۔ ان میں سب سے نمایاں شخصیت نجم الدین صُغریٰ کی تھی۔ یہی نجم الدین صغریٰ اس وقت دہلی کے شیخ الاسلام تھے۔ حضرت جلال الدین تبریزی کا وقار و اقتدار کم کرنے کے لئے انہوں نے کئی جتن کئے۔ لیکن سلطان شمس الدین التمش نے اپنے دل میں کوئی سوئے ظن نہ پیدا ہونے دیا۔ نجم الدین صغریٰ نے ایک آخری نامناسب حرکت یہ کی کہ ایک مغنیّہ کو پانسو اشرفیاں پیش کر کے اسے اس بات پر اُکسایا کہ وہ حضرت جلال الدین تبریزی پر بدکاری کا الزام لگائے۔ اس نے التمش کے سامنے جا کر حضرت تبریزی کو متہم کیا۔ جسے سن کر التمش بھی ششدر رہ گیا۔ التمش اپنے دل میں اسے ایک غلط اتہام اور کسی سازش کا نتیجہ سمجھ رہا تھا مگر احترامِ قانون سے مجبور تھا۔ اس لئے ہندوستان کے مشہور علماء و مشائخ کو دعوت دے کر تحقیق حال کے لئے ایک ٹریبیونل مقرر کی اور اس کا حکم حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی کو بنایا۔ حضرت زکریا ملتانی نے اس دعوت کو منظور فرما لیا اور دہلی تشریف لے آئے۔ نمازِ جمعہ کے بعد مقدمے کی کارروائی شروع ہوئی۔ اتہام لگانے والی مغنیّہ پیش کی گئی اور جن پر الزام تھا وہ یعنی حضرت جلال الدین تبریزی بھی طلب کئے گئے۔ آپ جس وقت مسجد میں داخل ہوئے تو تمام علماء و مشائخ تعظیم کے لئے سروقد کھڑے ہو گئے۔ اور مزے کی بات یہ ہوئی کہ مقدمے کے حَکَم حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی آگے بڑھے اور حضرت جلال الدین تبریزی کی جوتیاں اپنے ہاتھ میں اُٹھا لیں۔ ایک ملزم کی جوتیاں خود حَکَم اُٹھا لے۔ یہ کوئی معمولی بات نہ تھی۔ سلطان التمش کو اب اور زیادہ یقین ہو گیا کہ حضرت جلال الدین تبریزی بالکل بیگناہ ہیں۔ اس نے ارادہ ظاہر کیا کہ مقدمے کی کارروائی روک دی جائے۔ یہ ارادہ دیکھ کر حضرت بہاؤ الدین زکریا بولے کہ "شیخ جلال الدین تبریزی کی جوتیوں کی خاک کا سُرمہ بنانا بھی میرے لئے باعثِ فخر ہے کیونکہ وہ میرے مرشد شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کے ساتھ سات سال تک سفر و حضر میں رہے ہیں۔ اہل اللہ جانتے ہیں کہ جلال الدین تبریزی سے ایسا قبیح فعل سرزد ہونا ممکن نہیں۔ تاہم یہاں کے شیخ الاسلام نجم الدین صغریٰ کو یہ خیال نہ ہونا چاہئے کہ میں ان کی جوتیاں اُٹھا کر اور ان کو تعظیم دے کر ان کی پردہ پوشی کر رہا ہوں۔ تحقیقاتِ مقدمہ بہرحال ہونی چاہئے اور شہادات پیش ہونی چاہئیں۔ لہٰذا پہلے مدعیہ یعنی اس مغنیّہ کو بلوایا جائے"۔ وہ مغنیّہ سامنے لائی گئی۔ مگر سامنے آتے ہی اس پر کچھ ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ اپنے اتہام کو ثابت کرنے کی بجائے اس نے تمام اصلی واقعات شروع سے آخر تک بیان کر دیئے، کہ کس طرح نجم الدین صغریٰ نے اسے طمع دلا کر حضرت جلال الدین تبریزی کو متہم و رُسوا کرنے پر آمادہ کیا تھا۔ ایک بھرے مجمع میں اصلیت و حقیقت کے انکشاف کے بعد سازش کرنے والے شیخ الاسلام نجم الدین صغریٰ کا کیا حال ہوا ہوگا۔ اس کا اندازہ کوئی مشکل نہیں۔ "میں الزام ان کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا"۔ اپنی اتنی رسوائی کا نجم الدین صغریٰ پر ایسا سخت اثر ہوا کہ وہیں بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ مولانا جلال الدین رومی نے سچ فرمایا ہے کہ ؎

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد   میلش اندر طعنۂ پاکاں زند

خدا جب کسی کا پردہ فاش کرنا چاہتا ہے تو اس کے دل میں پاکبازوں پر نکتہ چینی کا میلان پیدا کر دیتا ہے۔

اس واقعے کے بعد شمس الدین التمش نے نجم الدین صغریٰ کو شیخ الاسلام کے عہدے سے معزول کر دیا اور حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی سے اس عہدے کو قبول کرنے کی درخواست کی۔ آپ نے بخوشی اس عہدے کو قبول فرما لیا اور ملتان واپس آنے تک آپ ہی دہلی کے شیخ الاسلام رہے۔ آپ کے بعد آپ ہی کے خاندان میں ایک مدت تک یہ عہدہ قائم رہا۔ یہ تھا آپ کے شیخ الاسلام ہونے کا واقعہ۔

آپ نے عمر بھی لمبی پائی تھی۔ سنہ وفات ۶۶۱ ھ بھی بتایا جاتا ہے اور ۶۶۵ ھ بھی۔ اس لحاظ سے ۹۶ یا پورے سو سال کی عمر آپ نے پائی۔

آپ کی عبادت و ریاضت ضرب المثل تھی۔ یہی کیا کم ہے کہ ہر روز شب کو ایک ختم قرآن کیا کرتے تھے۔ ایک دن اپنے حجرے میں عبادت میں مشغول تھے، کہ باہر ایک نورانی شکل کے کسی بزرگ نے آپ کے صاحبزادے شیخ صدرالدین کے ہاتھ میں ایک سربمہر خط دیا جو شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی کے نام تھا۔ شیخ صدرالدین نے یہ خط اندر جاکر اپنے والد بزرگوار کے ہاتھ میں دیا اور خط لانے والے بزرگ کو دیکھنے کے لئے باہر آئے لیکن وہ قاصد موجود نہ تھا۔ اتنے میں ایک آواز آئی کہ "دوست بہ دوست رسید" یار اپنے یار سے جا ملا۔ شیخ صدرالدین تیزی سے حجرے کے اندر آئے تو دیکھا کہ پدر بزرگوار کی حیاتِ مستعار ایک دوسری حیاتِ جاودانی میں تبدیل ہو چکی ہے۔

کہتے ہیں کہ "دل را بدل رہے ست" دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔ ادھر آپ کا وصال ہوا اور ادھر حضرت بابا فرید الدین گنج شکر بے ہوش ہو گئے۔ دیر کے بعد ہوش آیا تو فرمایا کہ "برادرم بہاؤ الدین زکریا را ازیں بیابانِ فنا بہ شہرستانِ بقا بردند" یعنی میرے بھائی بہاؤ الدین زکریا نے اس ویرانۂ دنیا سے آباد خانۂ آخرت کی طرف کوچ کیا۔ اس کے بعد ہی بابا صاحب اُٹھے اور اپنے حلقۂ مریدین کے ساتھ غائبانہ نمازِ جنازہ ادا کی۔ یوں تو ہر روز خدا جانے کتنے انسان مرتے رہتے ہیں۔ ان میں لاتعداد انسان ایسے ہی ہوتے ہیں جن کا ذکر بھی ان کی زندگی کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے۔ لیکن مردانِ خدا مر کر بھی زندہ ہی رہتے ہیں۔ بہ ظاہر وہ مرتے ہیں مگر ان کا ذکر اور زیادہ زندہ ہو جاتا ہے۔ ان ہی بزرگوں میں حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی سہروردی بھی ہیں جن کا روحانی فیض ہمیشہ جاری رہے گا۔ جن کے ذکر سے کتابوں کے اوراق مزین ہوتے رہیں گے۔ جن کی یاد ایتھر کی لہروں میں ارتعاش پیدا کرتی رہے گی۔ اور جن کا مرقدِ منور ملتان کے ایک گوشے میں زیارت گاہِ خاص و عام اور مرجع انام بنا رہے گا۔

ہرگز نہ میرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما